بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لے کے ناں میں سوہنڑے رب دا کراں کلام بیان
مہر محبت کرنے والا اُچا اُسدا ناں

یورپ میں ہندکو زبان

یورپ میں ہندکو زبان

تحقیق و تالیف
ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان

گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور

جملہ حقوق بحق گندھارا ہندکو اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب	یورپ میں ہندکو زبان
موضوع	تحقیق
تحقیق وتالیف	ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان
کمپوزنگ	ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان
پروف نگاری	ثاقب حسین
سرورق	ثاقب حسین
سال اشاعت	2017ء
قیمت	300روپے
مطبع	گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور
پرنٹر	جی ایچ اے لیزر پرنٹنگ، پشاور
ISBN No.	978-969-687-063-0
ملنے کا پتہ	گندھارا ہندکو اکیڈمی، 2 چنار روڈ، آبدرہ، یونیورسٹی ٹاؤن پشاور

گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور

2۔ چنار روڈ، آبدرہ، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور
091-9218164,9218165
www.gandharahindko.com

انتساب

گندھارا ہندکو بورڈ اور اِس
ادارے سے پیار کرنے والوں
کے نام

ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
1	حرف گفتنی	6
2	ہندکو یورپ میں	10
3	یورپی ملکوں میں ہندکو وانوں کی فیصد آبادی	13
4	مرکب الفاظ	18
5	لاحقہ اور لفظ سے مرکب	19
6	رشتے	22
7	گنتی	23
8	اعضائے جسم	25
9	کھانا پینا	26
10	افعال	27
11	ضمار بطور فاعل۔مفعول	29
12	اصناف ملکی	30
13	مفعولی حالت	32
14	ظرفی حالت	32
15	حالت مفعولی	32
16	مشترک لغات	33
17	ضمیمہ	57
18	توضیحی شذرات	60
19	کتابیات	62

حرف گفتنی

کون نہیں جانتا کہ زبان کیا ہے۔ہم میں سے ہر کوئی اپنی زندگی میں اکثر و بیشتر اس کا استعمال کرتا رہتا ہے۔ایسی شے جو ہماری زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔جو اس قدر سامنے کی چیز ہے اس کے بارے میں یہ سوال اٹھانا کہ یہ کیا ہے لایعنی لگتا ہے۔لیکن میرا تجربہ ہے اور میں سمجھتا ہوں ہم سب اس تجربہ میں شریک ہیں کہ جو بات یا شے جس قدر آسان اور سادہ دکھائی دیتی ہے جب ہم اس کی تعریف وتوضیح کرنے لگتے ہیں تو اسی قدر دشوار معلوم ہونے لگتی ہے اور جتنا ہم اسے آسان بنانے اور الفاظ میں محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ گتھی اور الجھنے لگتی ہے۔سہل ممتنع کو اور کیا سہل کیا جا سکتا ہے؟ یہی مسئلہ زبان کی تعریف کرتے وقت درپیش ہوتا ہے۔ماہرین زبان اور ماہرین لسانیات نے زبان کی بہت سے مختلف تعریفیں کر کے اس مشکل کو آسان کرنے کی سعی کی ہے۔ان میں سے بعض تعریفیں بہت آسان اور سادہ ہیں اور بعض بہت پیچیدہ اور گنجلک۔اکثر تعریفیں ایک اعتبار سے اپنی جگہ درست اور کارآمد ہیں جب کہ کسی اور اعتبار سے یہ اتنی مفید نہیں۔آپ اس میں سے کس کو زیادہ درست اور کارآمد سمجھتے ہیں اس کا زیادہ تر دارومدار اس پر ہے کہ آپ اس تعریف کو کس مقصد کے لیے کام میں لانا چاہتے ہیں۔تعریفوں میں بحث تمحیص میں الجھنے کی بجائے میں نے سردست وہ تعریف منتخب کی ہے جو زیادہ عام،مختصر،سادہ اور ہمارے موضوع کے لیے کافی اور مفید ہے۔یہ تعریف حسب ذیل ہے:

''زبان وہ نظام ہے جسے انسان باہمی ابلاغ کی سہولت کے لیے بروئے کار لاتے ہیں''۔زبان کا کام افراد یا گروہوں کے درمیان ابلاغ کی سہولت فراہم کرنا ہے۔ان افراد کا تعلق کسی ایک نسلی گروہ سے بھی ہو سکتا ہے اور مختلف نسلوں سے بھی۔یہ بھی ممکن ہے کہ ان سب کا ثقافتی پس منظر ایک ہی ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ یہ مختلف ثقافتی پس مناظر رکھتے ہوں۔صورت حال کچھ بھی ہو زبان کا ایک اہم بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اہم ترین فریضہ افراد یا اور گروہوں کے درمیان ابلاغ کی سہولت مہیا کرنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زبان اپنے فریضہ کی انجام دہی میں کس وسیلہ سے کام لیتی ہے۔تو اس

کا جواب مختصراً ہے یہ کہ آوازوں سے بنائے ہوئے نمونوں سے انسان سینکڑوں ایسی آوازیں پیدا کر سکتا ہے جنہیں انسانی کام باہم ممیّز کر سکے۔ ہر زبان ان میں سے صرف چند ایک کو اپنے لیے منتخب کر لیتی ہے اور پھر ان کی ترکیب و ترتیب سے ہزاروں الفاظ و مرکبات بنا لیتی ہے۔ ان الفاظ کے علاوہ ہر زبان کا بولنے والا اپنی جسمانی حرکات و سکنات کے ساتھ ساتھ آواز کے اتار چڑھاؤ کو بھی کام میں لاتا ہے۔ ماہرین لسانیات کا اس امر پر بالعموم اتفاق ہے کہ ہر زبان آوازوں کے وسیلے سے معرض وجود میں آئی۔ دوسرے وسیلے مثلاً نقوش، تصاویر اور حروف وغیرہ بعد میں استعمال ہونے لگے۔ مفرد آوازیں جنہیں صوتیات کی اصطلاح میں اصوات کہتے ہیں ہر زبان خود ساختہ اصولوں کے مطابق ترتیب پا کر الفاظ کے قالب میں ڈھلتی ہیں جو باہم مل کر مرکبات، جملوں اور فقروں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ زبان محض اصوات کی ایک مالا کا نام نہیں بلکہ ان اصوات کے زبان کے قواعد کے مطابق ڈھلنے کے ساتھ ساتھ اس زبان کی اختیار کردہ حرکات و سکنات اور آواز کے زیر و بم کی پابندی کے ساتھ ادا ہونے کا نام ہے۔ ہر شخص اپنی مادری زبان کے ان عناصر اور ان کے خواص و مطالب کو لاشعوری طور پر سیکھ لیتا اور برتتا ہے اور اس طرح وہ اپنی زبان کی مکمل صلاحیتوں سے کام لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی اجنبی کو یہ سب کچھ شعوری طور پر سیکھنا پڑتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے نہ صرف ابلاغ معنی میں دشواریاں پیش آتی ہیں بلکہ بعض اوقات وہ سنگین غلط فہمیوں کا بھی شکار یا باعث بھی ہو سکتا ہے۔

ایک اور سوال یہ اُٹھتا ہے کہ ابلاغ معنی کا فائدہ کیا ہے؟ ابلاغ سے معاشرے میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے جو ایک خوشگوار ماحول میں رہنے والے خوشحال معاشرے کی بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زبان معاشرے کو متاثر کرتی اور کر سکتی ہے۔ جی ہاں یہ بالکل درست ہے کہ کسی معاشرے پر اور اس میں رہنے والے افراد کی زندگیوں پر زبان اثر انداز ہوتی ہے۔ اسے بگاڑنے اور سنوارنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم گندی یا ناخوشگوار زبان اور ناپسندیدہ انداز اظہار و بیان اختیار کرتے ہیں تو یہ نہ صرف ہمارے کردار اور ہماری سوچ کے بگاڑ کو ظاہر کرے گا بلکہ اس سے ہمارے کردار اور سوچ میں مزید بگاڑ پیدا ہوگا اور یہ بھی ہوگا کہ لوگوں میں ہماری بدتمیزی کا چرچا ہونے لگے گا مثلاً وہ کہنے لگیں گے۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تم ہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

معاشرہ جیسے جیسے ترقی کرتا جاتا ہے زبان بھی اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی رہتی ہے ایک طرف معاشرہ کی نئی اقدار اس میں منعکس ہوتی رہتی ہے تو دوسری طرف اس کی ضروریات کو پورا کرنے اور اسے درپیش مسائل کے مطابق زبان خود کو ڈھالتی رہتی ہے۔ جوں جوں معاشرے کے مطالبات بڑھتے جاتے ہیں توں توں زبان ان مطالبات کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوتی رہتی ہے۔ نئے علوم وفنون سامنے آنے لگتے ہیں تو ان کا عکس نئی اصطلاحات اور نئے الفاظ کی صورت میں نظر آنے لگتا۔ نیا ماحول اپنے اثرات ڈالنے لگتا ہے۔ اقدار جدید، سائنسی علوم وایجادات کی آمد کے سبب زبان میں صرف ذخیرہ الفاظ ہی کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ نئے تصورات اور خیالات بھی جنم لیتے ہیں۔

پیشتر اس سے کہ بات کا رخ کسی اور طرف مڑ جائے ایک دو نکات بیان کرنے ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ زبان جب پھلنے پھولنے لگتی ہے تو وہ اکثر تین عوامل سے کام لیتی ہے۔ ایک اشتقاق یعنی موجودہ الفاظ سے دوسرے الفاظ حاصل کرنا، دوسرا ترکیب یعنی موجودہ الفاظ کی ترکیب باہمی سے مرکب الفاظ بنانا اور تیسرا انضمام یعنی دوسری زبانوں سے الفاظ حاصل کر کے انہیں اپنے اندر ضم کر لینا۔ ایسے الفاظ جو دوسری زبانوں سے لیے جاتے ہیں انہیں ایک عرصہ تک مستعار الفاظ کہا جاتا رہے ہے۔ لیکن اس اصطلاح میں قباحت یہ تھی کہ کوئی شے جب مستعار ہو تو اسے لوٹانا ضروری ہوتا ہے پ زبان جب کوئی لفظ لے لے تو اسے اپنے پاس رکھ لیتی ہے لوٹاتی نہیں۔ یہ تو بد دیانتی ہوئی۔ اس لیے اس الزام سے زبان کو بچانے کے لیے ایک اور اصطلاح استعمال ہونے لگی اور ایسے الفاظ کو دخیل الفاظ کہا جانے لگا لیک اس اصطلاح میں بھی قباحت یہ ہے کہ الفاظ کسی زبان میں خود داخل نہیں ہوتے انہیں حاصل کیا جاتا ہے۔ حاصل کرنے والی زبان ان کو اپنے اندر سمو لیتی ہے اور یہ اس نئی زبان کا حصہ بن جاتے ہیں اس لیے میں اس کے لیے ''رچے بسے'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں۔

لسانیات کا تاریخی مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہر زبان اپنی ابتدا میں محدود اور مختصر ہوتی ہے۔ جوں جوں اس کے بولنے والوں کی ضروریات اور تقاضے بڑھنے لگتے ہیں اس کے ذخیرہ الفاظ اور اس کی استعداد بیان میں وسعت آتی جاتی ہے انگریزی کو لیجئے جس میں آج موجودہ دور کے تمام علوم پائے جاتے ہیں اور جو آج کی پھیلتی ہوئی دُنیا اور اس کے روز افزوں علوم وفنون کی کل ضروریات اور مطالبات کو بدرجہ احسن پورا کر رہی ہے۔ چند صدیاں پہلے ایک جزیرے کی پس ماندہ کس مپرس سے زبان تھی جو اس وقت اس کو نہ تو

دور حاضر کے علوم، حکمیات اور صنعتی دور کی ایجادات بیان کرنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس سے اس ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اس لیے اس دور کی دوسری بڑی زبان لاطینی وغیرہ کے مقابلہ میں یہ محدود، مختصر اور پس ماندہ تھی۔ تعلیمی زبان بننے کے بعد بھی اس کی حالت یہ تھی کہ جب پہلی انگریزی لغت مرتب کی گئی تو اس کا مبلغ الفاظ سات ہزار کے لگ بھگ تھے جب کہ آج اس کا ذخیرہ دو لاکھ سے تجاوز کر گیا ہے اور روز افزوں اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آج ہم سمجھتے ہیں کہ اس زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ خیال درست نہیں ہے۔ قوموں کی طرح زبانوں پر بھی عروج و زوال کے دور آتے رہتے ہیں۔ ہندکو پر بھی یہ تمام کیفیات گزری ہیں۔ آج سے کوئی پانچ ہزار سال پہلے یہ سرزمین ہند کی ایک ترقی یافتہ زبان تھی جس نے اپنے دور عروج کے تمام تقاضے بدرجہ اتم پورے کیے۔ ہندکو نے ایک شاندار تہذیب ثقافت اور معاشرے کی نمائندگی کی اور اسے پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اسی زبان کے بولنیوالے کچھ افراد آج سے سینکڑوں سال پہلے سرزمین ہند، کو چھوڑ کر پڑوسی ملک ایران چلے گئے کچھ وہیں آباد ہوئے کچھ آگے بڑھ ک دوسرے ممالک روس، مصر، شام، عراق، ترکی او پھر یورپ کی طرف کوچ کر گئے وہ جہاں بھی گئے اپنی زبان اور ثقافت ساتھ لے گئے۔ نئی زبانوں اور تہذیبوں سے اثر قبول کیا جو ایک فطری عمل تھا لیکن اس کے ساتھ قابل ستائش بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کی حفاظت بھی کی۔ ہندکو اور ہندکو وان ان تمام ادوار او عوامل سے گزرے جن کا عمومی تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے او جن کا خصوصی ذکر کتاب کے اصل حصہ میں کیا جانا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ تاریخ کے دھندلکے میں سے اس زبان کے ان نقوش کو ابھار سکوں جن کے ذریعہ موجودہ سرزمین ہندکو میں بولی جانے والی ہندکو اور دیار غیر میں بولی جانے والی ہندکو میں پائے جانے والے زمان و مکان کے فاصلے کم ہوسکیں۔ انشاءاللہ

ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان

بلیکبرن یو۔کے

۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲

ہندکو یورپ میں

آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہوگی کہ ہندکو زبان کئی صدیاں پہلے یورپ میں پہنچ چکی تھیں اور اگر چہ وہ مقامی زبانوں کے امتزاج سے کافی بدل چکی ہے لیکن اس کے اصلی نقوش و آثار اب بھی موجود ہیں اور کافی نمایاں ہیں۔ یوں تو اس زبان کی موجودگی کے نشانات یورپ کی بعض دوسری پاوندہ زبانوں میں بھی پائے جاتے ہیں پر ایک بولی جسے رومانی کہتے ہیں اس کے بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد یورپ میں آباد ہے اور وہ اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ پاکستان کے اس حصہ سے ہجرت کر کے آئے تھے جہاں اب بھی ہندکو کی ایک جنگی بولی جاتے ہے۔ ان کی زبان میں ہندکو کے بہت سے الفاظ ہی نہیں بلکہ قواعدی اصول اور تراکیب بھی نمایاں طور پر موجود ہیں جنہیں بآسانی پہنچانا جا سکتا ہے۔ تفصیل بعد میں لکھوں گا یہاں چند مثالیں پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ رومانی زبان کا ہندکو سے کتنا گہرا رشتہ ہے۔

رومانی ہندکو	ہندکو	اُردو
بکھ	پکھ	بھوک
پرالوتے پینو	پراوو تے پینڑوں	بھائیو اور بہنو
پھبئ۔کو iii	پھل۔دا/دی	پھل۔کا/کی
پی	پی	پی
جا	جا	جا
جابا	جابی	جا بھی
جو	جوں	جو (ایک قسم کا غلہ)
دکھ	دکھ	دکھ

دُورل	دور	دور
دے	دے	دے
شولا	شولا	چاول
کار	کار	گھر
کر	کر	کر
کن	کن	کان
کندے	کن دے	کان دے (توجہ دے)
کھا	کھا	کھا
کھابا	کھابی	کھا بھی
گالبو	غالبا	غالبا
لے	لے	لے
مار	مار	مار
موتر	موتر	پیشاب

یہ چند الفاظ ان بہت سارے الفاظ اور تراکیب میں سے ہیں جو ہندکو اور رومانی زبان میں مشترک ہیں۔ اس کے علاوہ قواعدی اشتراک کے بھی شواہد موجود ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ یہ دونو زبانیں وقتی اور زمینی فاصلوں کے باوجود اب بھی ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں ان دونوں زبانوں کا لسانیاتی تجزیہ کروں مناسب لگتا ہے کہ ان کی تاریخ پ ایک نظر ڈال لی جائے۔ یعنی یہ دیکھا جانے کہ یہ ہندکو وان کب اور کیسے یورپ پہنچے اور وہ سرزمین ہندکو کے کس حصہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ کہ ہندکو زبان کی کونسی بولی بولتے تھے۔

یہ ہندکو وان خود اپنے آپ کو جٹ کہتے ہیں اور اپنی زبان کو جٹکی جو ظاہر ہے جو ہندکو کی ایک بولی کا نام ہے جو سرزمین ہندکو ایک علاقہ میں بولی جاتی تھی اور اب بھی اسی نام سے بولی جاتی ہے۔ اگر چہ اب اسے

مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایندروجیوکس iv اس کا متبادل نام مغربی پنجابی لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مختلف ناموں سے جانی جاتی ہے۔ مثلاً ملتانی، ڈیرہ والی، شاہپوری، جگدالی، بلوچکی، پوٹھوہاری، پشاوری، ہزاروی اور بہاولپوری۔ میرے نزدیک یہ اس ہندکو کی مختلف بولیاں ہیں زمانہ قدیم میں سرزمین ہندکو میں بولی جاتی تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یہ لوگ بہرام گور v کے زمانے میں اپنا وطن چھوڑ کر ایران چلے گئے تھے۔ حمزہ اصفہانی نے جو ایک مورخ تھا سب سے پہلے ذکر کیا کہ بہرام گور نے ہندوستان سے فنکاروں کا ایک گروہ جو ۱۲۰۰۰ افراد پر مشتمل تھا منگوایا یہ لوگ جٹ کہلاتے تھے۔ اس کے بعد شاہنامہ فردوسی میں ان کا تذکرہ ملتا ہے جس کے مطابق پانچویں صدی میں ایران کے بادشاہ بہرام گور کو ہندوستان کے بادشاہ نے ایک ہزار سے زیادہ ہنرمندوں اور فنکاروں کا دستہ بطور تحفہ دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملتان اور کوہ سلیمان کے درمیانی خطہ میں رہتے تھے اور جٹ کہلاتے تھے۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ بہادر جنگجو تھے اور ایرانی فوج کا ایک اہم دستہ تھے۔ ان میں سے کچھ تو ایران میں ہی رچ بس گئے اور کچھ روس اور مشرق وسطی اور بحر یورپ چلے گئے۔ ان کی اکثریت خانہ بدوش رہی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ان ملکوں میں آباد ہوتے گئے گو ان کی آبادی کا ایک حصہ اب بھی خانہ بدوش ہی ہے۔ جب محمد بن قاسم نے 710 عیسوی میں سندھ پر حملہ کیا اور ملتان تک جا پہنچا تو جٹ برادری کی اکثریت نے اس تعاون کیا اور اس کی فوج کا ساتھ دیا۔ ان میں سے ایک گروہ وطن چھوڑ گیا۔ مغربی مصنفین نے انہیں زوٹ یا زٹ لکھا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ دریائے دجلہ کے کنارے اور شام کے پہاڑی سلسلہ میں آباد ہو گیا۔ ان کیا ایک جماعت اسلامی خلافت سے نکل کر سلطنت روما کی طرف بڑھی جہاں اس کا آمنا سامنا رومی فوج سے ہوا ان میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ قیدی بنا کر بازنطین لے جائے گئے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ہند کے یہ جٹ بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے اور مختلف ادوار میں گروہ در گروہ ایران روس، شام، عراق اور پھر سلطنت روما کی جانب ترک وطن کرتے رہے۔ اسلامی دنیا میں انہیں سہولتیں ملتی رہیں جنہیں سک ک مزید گروہ ان ممالک کا رخ کرتے رہے۔ یورپ میں ابتداً انہیں رومی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا لیکن آہستہ آہستہ وہ اپنی فنکاری اور ہنرمندی کی بدولت یورپ میں اپنی جگہ بناتے رہے۔ ان کا

ایک گروہ یونان پہنچا جہاں انہوں نے ایک طویل مدت تک قیام کیا۔ وہاں سے نکل کر ان کی ایک جماعت بلقان جا بسی اور ایک وسطی اور مغربی یورپ میں پھیل گئی۔ جیسے جیسے ان جٹ تارکین وطن کی خوشحالی کی خبر سرزمین ہند کو پہنچتی گئی ویسے ویسے ان کے دوسرے ہم وطن بھی ترک وطن کرتے گئے ان میں اب گوجر vi، گکھر اور ونجارے بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان تارکین وطن کی تعداد بہت زیادہ تھی ان میں سے کچھ تو صدیوں سے خان بدوش ہونے کے سبب حسب عادت ایک ملک سے دوسرے ملک گھومتے رہے اور کچھ بعض مقامات پر بس گے۔ لیکن وہ چاہے ایران میں رہے یا مصر، شام، عراق، یونان یا بلقان میں یا یورپ روس میں انہوں نے اپنی ثقافتی روایات اور اپنی زبان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوصف اور مقامی زبانوں کے اثرات در آنے کے باوجود آج بھی ان میں ہندکو کے الفاظ، محاوروں، تراکیب اور قواعدی اصولوں کے آثار باقی ہیں۔ انہیں اپنی زبان ثقافت اور پہچان پر فخر ہے۔ شروع میں تو ان میں اکثریت فنکاروں اور نجومیوں کی تھی لیکن بعد میں ان میں تاجر، ہنرمند، کمہار، لوہار اور جنگجو وغیرہ بھی شامل ہو گئے۔

پندرہویں صدی تک یورپ میں ان ہندکو وانوں کی تاریخ کچھ واضح نہیں ہے لیکن اس کے بعد ان کی ملک ملک کی گردش کا پتہ چلتا ہے۔ اب تو ان کے بارے میں کئی تحقیقی کتابیں چھپ چکی ہیں اور یہ کام جاری ہے vii۔ اگر چہ ان کے مختلف گروہ افریقہ، مشرق وسطی اور یورپ میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کا نہایت مضبوط اور منظم گروہ رومانیہ میں ہے جو رومانی کہلاتا ہے اور ان کی زبان بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ لوگ چونکہ برعظیم پاک و ہند کے اس حصہ سے آئے تھے جسے ان کے پہلے ترک وطن کے وقت ہند کہا جاتا تھا viii اور یہاں کی زبان اور باشندوں کو اسی نسبت سے ہندکو کہتے تھے اس لیے میں ان کی زبان کو ہندکو اور انہیں ہندکو وان کہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔

بیکر کے مطابق ۲۰۰۰ میں دنیا کے مختلف ملکوں میں ہندکو وانوں کی تعداد حسب ذیل تھی۔ اس میں فیصد سے مراد خانہ بدوشوں میں ہندکو وانوں کی فیصد آبادی ہے۔

ملک	آبادی	فی صد
آسٹریا	20000	80
استونیا	1100	90

البانیہ	90,00	95
اٹلی	42000	90
بلجیم	10000	80
بلغاریہ	3,50,000	80
بوسنیاہرزگووینا	40000	90
بیلاروس	2,000	99
پولینڈ	4000	90
ترکی	2,80,00	`0
جرمنی	85,000	`0
چیک جمہوریہ	1,40,000	50
ڈنمارک	15,00	90
روس	5,05,000	80
رومانیہ	4,33,000	80
سربیہ،موٹنے نیگرو	3,80,000	90
سلووانیہ	8,000	90
سلووا کیہ	3,00000	60
سویڈن	95,00	90
فرانس	2,15,00	`0
فن لینڈ	3,00	90
کروایشیا	28,000	80
لتھوانیہ	4,0000	90

لٹویا	1,50,00	90
مالدووا	56,000	90
مقدونیہ	2,15,000	90
نیدرلینڈ	3,000	90
ہسپانیہ	1,000	1
ہنگری	2,60,000	50
یوکرین	11,3,000	90
یو۔کے	1,000	0-5
یونان	1,60,000	90

مجھے اس بات کا احساس کہ رومانی اور ہندکو میں لسانی اور تاریخی رشتہ ہے اس وقت ہوا جب میری ملاقات ایک پشاوری سے ہوئی جس کی بیوی رومانی ہے۔ وہ آپس میں بات کرتے تو یوں لگتا جیسے وہ ہندکو بول رہے ہیں لیکن کچھ مختلف سی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہندکو جانتی ہے؟ تو اس نے ہنس کر جواب دیا ہم رومانی بول رہے ہیں جو میری بیوی کی زبان ہے یہ زبان ہندکو سے اسقدر قریب ہے کہ میں نے اِسے بآسانی سیکھ لیا ہے۔ بلیک برن آ کر رومانی لغت لی اور اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ میں نے دیکھا اس میں بہت سے الفاظ ہیں جو ہندکو سے ملتے جلتے ہیں لہذا میں نے اس لغت سے اور دوسرے ذرائع سے ایسے الفاظ کی فہرست بنانی شروع کردی جو ان دونوں زبانوں میں مشترک ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں زبانوں کے مشترک الفاظ کا اچھا خاصہ ذخیرہ اکٹھا ہوگیا۔ اس کی تصدیق یہاں بسنے والے بعض رومانیوں سے کی جو نہایت حوصلہ افزا ہے۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ خود ان لوگوں میں کچھ دن گزاروں اور اس ذخیرے کی تصدیق کروں مزید الفاظ جمع کروں اور اس سے بڑھ کر ان قواعدی صورتوں کا جائزہ لوں جو رومانی زبان کے تانے بانے کی بنیاد ہیں۔ لیکن اس سے قبل یہ دیکھوں کہ یہ لوگ ہیں کون اور کب اور کیسے رومانیہ پہنچے۔ تاریخ کے دریچے سے ان کی ماضی میں جھانکنے لگا تو وہ چند حقائق معلوم ہوئے جو سطور بالا میں درج کئے گئے ہیں۔